پروفیسر یوسف سلیم چشتی

انور پاشا — شہادت کے چشم دید حالات

شہیدِ ملت انور پاشا ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں انہیں انگریزوں کی دشمنی کا پہلی مرتبہ احساس ہوا جب انھوں نے بابِ عالی کو الٹی میٹم دیا کہ اگر جنرل ادھم پاشا کی ا۔تھستر پر پیش قدمی کو فوراً نہ روکا گیا تو برطانیہ ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا۔

۱۹۱۱ء میں جب اطالیہ نے بلاوجہ طرابلس پر حملہ کیا تو ہندوستان سے لے کر مراکش تک تمام دنیائے اسلام میں غصہ اور رنج کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ اقبال کی وہ مشہور نظم جس کا آخری شعر یہ ہے۔

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ملتِ اسلامیہ کے انہیں جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔ چونکہ اس وقت ترکوں کے پاس بحری جہاز صرف دو تھے اور وہ بھی شکستہ! اس لیے انور بے نے یہ چاہا کہ مصر کے راستہ سے کمک لے کر طرابلس پہنچیں مگر انگریزوں نے اپنی دشمنی کا پھر مظاہرہ کیا یعنی مصر کی غیر جانب داری کا اعلان کر دیا (حالانکہ آئینی طور پر اس وقت تک مصر دولت عثمانیہ کا ایک باج گزار صوبہ تھا۔) بہرحال انور بے تن تنہا بھیس بدل کر طرابلس پہنچے اور اپنی خداداد شجاعت کے بل بوتے پر شیخ سنوسی مرحوم کے مجاہدین کو جو بظاہر بے سازوسامان تھے، منظم کر کے اطالوی درندوں کے چھکے چھڑا دیے۔ یہ وہی شیخ سنوسی ہیں جن کو اقبال نے اس شعر میں زندہ جاوید کر دیا۔

کیا خوب امیرِ فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

مجاہدین کی بے سروسامانی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم

پٹی تو بڑی بات ہے میدان جنگ میں دم توڑتے ہوؤں کے حلق میں کوئی پانی ٹپکانے والا بھی نہیں تھا۔ عربوں کی بعض جانباز لڑکیاں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر یہ فرض انجام دیتی تھیں۔ انہی دخترانِ ملّت میں ایک لڑکی فاطمہ بھی تھی جس نے میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ اقبال نے اس بہادر لڑکی کا نام اس نظم کی بدولت ہماری تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے
ذرّہ ذرّہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

طرابلس کی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی کہ روسیوں اور انگریزوں کے ایماء پر بلقانی ریاستوں نے ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا یعنی "موئے پر سو دُرے" والا مضمون ہو گیا۔ دشمنانِ ملّت کی خوش نصیبی سے ناظم پاشا سپہ سالار افواج عثمانی نے غدّاری پر کمر باندھ لی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکوں کو ہر محاذ پر شکست ہوئی یہاں تک کہ ایڈریا نوپل بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ناظم پاشا نے اپنی غدّاری کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بابِ عالی کو یہ مشورہ دیا کہ دشمن کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے جائیں (مجھے یاد ہے کہ ناظم پاشا کو اس غدّاری کا صلہ انگریزوں نے یہ دیا تھا کہ انگلستان کے مشہور مصوّر جریدہ "السٹریٹڈ لنڈن نیوز" میں اس کی تصاویر بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی تھیں اور اس کے تدّبر اور شجاعت کی فرضی داستانیں دنیا کو سنائی جاتی تھیں۔)

جب انور بے کو ان حالات کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی قوم کو اس ذلّت سے بچانے کے لیے وہ کام کیا جو اُن کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا، یعنی عین اس وقت جبکہ ناظم پاشا بند کمرے میں ترکی افسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کر رہا تھا وہ چند دوستوں کو ساتھ لے کر دروازے پر پہنچے۔ پہلے دونوں سنتریوں کو اپنے ہاتھ سے گولی کا نشانہ بنایا پھر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور سب سے پہلے ناظم پاشا کو جہنم رسید کیا، اس کے بعد اس کے رفقاء کو ختم کیا۔ غدّارانِ ملّت کو فی النار کرنے کے بعد فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی اور چند ماہ میں ایڈریانوپل دوبارہ فتح کر کے دشمنوں پر ثابت کر دیا کہ ترکی قوم ابھی زندہ ہے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی، انور بے اب انور پاشا ہو کر وزیر جنگ کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے اور سلطان نے ان کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا کر دیا تھا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ ترکی اتحادیوں کا ساتھ دے یا کم از کم غیر جانبدار رہے لیکن انور پاشا اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ

دنیا میں کوئی قوم انگریزوں سے بڑھ کر مسلمانانِ عالم کی دشمن نہیں ہے اس لیے انھوں نے جرمنی کا ساتھ دیا اور ۱۹۱۵ء کے آغاز میں انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں نے ہندی مسلمانوں کو ترکوں سے بدظن کرنے کے لیے ہر امکانی کوشش کی تھی مگر اللہ کے ایک مخلص بندے نے جس کا نام محمد علی تھا، ۲۷ گھنٹے کی ایک نشست میں "ترکوں کا انتخاب" کے عنوان سے ایک معرکتہ الآراء مضمون لکھ کر اپنے انگریزی اخبار "کامریڈ" میں شائع کیا تھا جس میں ناقابل تردید دلائل سے یہ بات ثابت کی تھی کہ ترکوں نے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ انگریزوں نے اس مضمون کو "بحق ملکِ معظم" ضبط کر کے اس مضمون کے لاجواب ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

چونکہ جنگ کا فیصلہ ترکوں کے خلاف ہوا اور عارضی طور سے قسطنطنیہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور سلطان روم کی جگہ سر چارلس ہیر نگٹن سپہ سالار افواج برطانیہ ترکی کا حکمران بن گیا، اس لیے انور پاشا اور ان کے رفقائے کار (جمال پاشا اور طلعت پاشا) کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ وطن مالوف کو خیر باد کہہ دیں۔ چنانچہ یہ تینوں حضرات ماسکو چلے گئے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اولف کیرو کی کتاب [Soviet Empire: The Turks of Central Asia and Stalinism] سے انور پاشا کی شہادت کا حال مولفِ کتاب ہی کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

جب ۱۹۱۸ء میں ترکی کو شکست ہوئی تو انور اور جمال دونوں نے یہ محسوس کیا کہ وطن میں قیام کرنا بے سود ہے اس لیے انھوں نے ماسکو کا رُخ کیا تاکہ لینن سے مل کر برطانیہ سے انتقام لے سکیں۔

لینن اس وقت روسی ترکستان کے مسلمانوں کو رام کرنا بھی چاہتا تھا اور افغانستان میں انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈا کرانے کا بھی خواہشمند تھا چنانچہ اس نے ان دونوں کو ان مقاصد کی تکمیل پر آمادہ کیا۔ یہ لوگ خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آجائے کہ انگریزوں سے انتقام بھی لے سکیں اور ترکستان کے مسلمانوں کو روسیوں کی غلامی سے نجات بھی دلا سکیں اس لیے انھوں نے لینن کو یقین دلایا کہ ہم تمہارے مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشش کریں گے۔

اگست ۱۹۲۰ء میں جمال (پاشا) ماسکو سے تاشقند پہنچا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد لینن کو اس کے طرزِ عمل پر شبہ ہونے لگا چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں روسی ڈکٹیٹر نے اس بد قسمت جنرل کو ماسکو واپس آنے کا حکم دیا، چنانچہ جمال کو ترکستان چھوڑنا پڑا اور ۲۱ جولائی ۱۹۲۲ء کو جبکہ وہ طفلس میں مقیم تھا غالباً لینن کے اشارے سے بعض بولشویکوں نے اُسے قتل کر دیا۔

انور پاشا اکتوبر ۱۹۲۱ء میں بخارا پہنچا۔ اس کا دلی مقصد یہ تھا کہ وہ ترکستان کے تمام قبائل کو روسیوں کے خلاف صف آرا کر کے وسط ایشیا میں ایک خود مختار اسلامی مملکت قائم کرے لیکن نیشنل یونین (اتحاد ملّی) کے لیڈروں نے اس معاملہ میں اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا بلکہ متعدد مشکلات کا عذر پیش کر کے یہ رائے دی کہ سر دست ہمیں صرف سازشی کارروائیوں پر اکتفا کرنا چاہیے لیکن انور کا خمیر سازش اور مکاری سے تیار نہیں ہوا تھا۔ وہ تو تلوار کا دھنی تھا اس لیے قدرے تأمل کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ میں وہ کام کروں گا جو بخارا کے لیڈروں کی طاقت سے باہر ہے یعنی مجلس اتحادِ ملّی، علماء، صوفیا، سیاسی کارکنوں اور تاتاریوں سب کو متحد کر کے روسیوں کے خلاف جہاد بالسیف کا اعلان!

پروفیسر احمد زکی ولیدی المعروف بہ پروفیسر طوفان نے جو انور کے دوش بدوش جہاد میں شریک تھا، اپنی کتاب "آج کا ترکستان" میں، بخارا میں انور کی آخری رات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

> "انور پاشا ساری رات آلتی پالتی مارے تکلیف دہ ترکی یونی فارم پہنے ہوئے فرشِ زمین پر بیٹھے اتحاد ملّی کے ارکان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے رہے لیکن بے سود۔ باشندگان ترکستان نے غلامی کو موت پر ترجیح دی۔ انجام کار انہوں نے اپنے مستقبل کے متعلق وہی فیصلہ کیا جو ایک مجاہد کے شایان شان ہو سکتا تھا۔ صبح ہوئی تو انور پاشا نے اپنے ۲۴ رفقائے کار کو اپنے ساتھ لیا اور اتحاد ملّی کے ارکان سے یہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں مشرقی بخارا کی طرف جاؤں۔ اگر ہم اس معرکہ میں کامیاب ہو گئے تو غازی کہلائیں گے ورنہ میدانِ جنگ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کریں گے۔ دونوں صورتوں میں ہماری فتح ہے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں استخلاصِ وطن کے لیے کوشش کروں گا۔ اگر ہم موت سے خائف زدہ ہو جائیں جو ہر شخص کے لیے مقدر ہو چکی ہے اور کتوں کی سی زندگی قبول کر لیں تو پھر ہم اپنے اسلاف اور اخلاف دونوں کی لعنت کے مستحق ہو جائیں گے۔"

الغرض انور پاشا سب سے پہلے ابراہیم بیگ لقائی کے پاس پہنچا مگر اس نے دستِ تعاون دراز کرنے کے بجائے انہیں قید کر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم تو امیر بخارا کا وفادار سردار تھا اور غلامی کا مادہ اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کی نظر میں انور کا یہ جرم ناقابل معافی تھا کہ اس نے سلطانِ روم (عبدالمجید ثانی، ۱۸۷۷ء تا ۱۹۰۸ء) کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا اور نوجوان ترکوں میں سلطان کے خلاف بغاوت کی روح پیدا کی تھی! بھلا ایسا آدمی (اگر اسے اقتدار حاصل) ہو جائے تو امیر بخارا کو کب برقرار رکھ سکتا ہے!

بہرحال بڑی جدوجہد کے بعد انور پاشا نے اس بزدل ضمیر فروش غدّار کے پنجہ سے رہائی حاصل کی اور قلیل مدت میں بہت سے قبیلوں کو دولتمند نامی ایک کوہستانی سردار کی قیادت میں اپنے گرد جمع کر

لیا۔ ان تاتاری اور ترکمانی قبائل کے علاوہ کچھ نامور افغانی سردار اور ایک وفادار روسی کاسک رَیاف نامی بھی ان کے ساتھ ہوگئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ چند ماہ کے لیے انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ بے سروسامانی کے باوجود ہر محاذ پر روسیوں کو شکست دی اور اپنے مجاہدانہ کارناموں کی بدولت مشرقی بخارا کے تمام قبیلوں میں جوش و خروش کی لہر پیدا کر دی۔

لیکن افسوس کہ یہ جوش و خروش عارضی ثابت ہوا اور رفتہ رفتہ بہت سے قبیلوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ قوم کی بےوفائی، بزدلی اور غدّاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجام کار اگست ۱۹۲۲ء میں انور پاشا اپنے وفادار دوست دولتمند اور اس کے رفقاء کو ساتھ لے کر بیل جوون نامی ایک محفوظ مقام میں (جو کوہستان تاجیک میں واقع ہے) پناہ گزیں ہوگئے۔

لیکن ایک غدّار قوم فروش ترک نے روسیوں کو ان کی قیام گاہ کا حال بتا دیا۔ چنانچہ روسی فوج کے افسر اعلیٰ نے تین سو سپاہیوں کا دستہ اس پہاڑی گاؤں کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جاسکے۔

۸ اگست ۱۹۲۲ء کو انور پاشا نے نہایت شاندار طریقہ سے موت کو لبیک کہا۔

علی الصباح جب وہ نماز فجر کے بعد مسجد سے نکلے تو انھیں معلوم ہوا کہ تین سو سپاہی اس پہاڑی پر ایڈوانس کر رہے ہیں جو بیل جوون سے کسی قدر بلندی پر واقع ہے۔ یہ خبر پاتے ہی ان کی رگِ شجاعت پھڑک اٹھی اور اپنے ساتھیوں کا انتظار کیے بغیر صرف ۲۵ آدمیوں کو ہمراہ لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ روانہ ہوگئے اور ایسی پامردی کے ساتھ پیش قدمی کی کہ جس وقت روسی فوج ایک طرف سے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچی، عین اسی وقت دوسری طرف سے مجاہدین کی یہ مٹھی بھر جماعت قضائے مبرم کی طرح اُن کے سر پر پہنچ گئی۔ جب روسیوں نے ان مجاہدین کو اپنے سامنے سربکف اور شمشیر بدست دیکھا تو اُن کے اوسان خطا ہوگئے۔ انور پاشا نے اپنی شمشیر خاراشگاف نیام سے نکالی اور ۲۵ مجاہدوں کو ساتھ لے کر اس غضب کا حملہ کیا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ۷۵ روسیوں نے ہتھیار رکھ دیے۔ اس جماعت کو پورے طور سے غیر مسلح کرنے کے بعد انور پاشا نے باقی ماندہ روسیوں پر دوبارہ اسی شدّت سے حملہ کیا اور قابل تحسین امر یہ ہے کہ اس مرتبہ ان کے ساتھ صرف پانچ آدمی تھے جن کے نام یہ ہیں۔

چرکس حسین ترک، عبدالکریم قازانی شہید کا افغانی سائیس، رَیاف کاسک اور اشمراد قزاق - ان کی تلوار بجلی بن بن کر دشمنوں کے سروں پر گر رہی تھی لیکن تقدیر ہنس رہی تھی!

اسی اثناء میں وفادار اور جان نثار دولتمند بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر امداد کے لیے پہنچ چکا تھا لیکن جس طرح ۱۹۱۷ء میں کوہ قاف کے محاذ پر (خصوصاً سریکاش کے معرکہ میں) تقدیر نے ہر موقع پر

ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اسی طرح آج بھی مشیت ایزدی ان کے خلاف تھی۔ قبل اس کے کہ دولتمند اپنے جانبازوں کو ساتھ لے کر ان کی امداد کو پہنچے، روسی مشین گن کی ایک گولی ان کے سینہ میں پیوست ہو گئی اور وہ دل جس کے ریشہ ریشہ میں ملت کا درد جاری و ساری تھا، جس نے ساری عمر ان کو سیماب وار بے قرار رکھا، جس میں اسلام کا عشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

چند لمحوں کے بعد بہادر دولتمند امداد کے لیے آن پہنچا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے انور پاشا جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

تھوڑی دیر کے بعد اسی مشین گن نے دولتمند کو بھی انور مرحوم کے پاس پہنچا دیا۔ دونوں سرداروں کے مارے جانے کے بعد مجاہدین دل شکستہ ہو گئے اور اُن کو واپس جاتے ہوئے دیکھ کر روسیوں نے بھی اپنی عافیت ریٹائر ہو جانے ہی میں دیکھی۔ اس وقت انہیں مطلق پتہ نہ چل سکا کہ انھوں نے عصر حاضر کے سب سے بڑے مسلمان مجاہد کو موت کی آغوش میں سلادیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ترکستان کو اپنا غلام بنا لیا۔

انور پاشا کی شہادت کی خبر آگ کی طرح سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ۲۰ ہزار سے زائد قبائلی جنگجو آخری دیدار کی غرض سے ان کی نعش پر جمع ہوئے۔ ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بہت سے لوگوں نے مرحوم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بعض عقیدت مندوں نے ان کی ڈاڑھی کے بال بطور تبرک محفوظ کر لیے۔ بلاشبہ سارے ترکستان میں ان کی شہادت پر ماتم کیا گیا اور قبیلہ ازبک کے شاعر نے ان کی موت پر بڑا دلگداز مرثیہ لکھا جو بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ گیا۔

انور پاشا کی زندگی میں بعض لوگوں کو ان کے طریقِ کار سے اختلاف تھا لیکن جس مردانگی کے ساتھ انھوں نے میدان جنگ میں اپنے وطن کی خاطر اپنی جان قربان کی اس نے بلاشبہ انھیں ترکوں کا ہیرو بنا دیا۔ جب تک ترکوں کی رگوں میں ترکی خون جاری ہے وہ مرحوم کے کارناموں کو فراموش نہیں کر سکتے۔

وہ تمام لوگ جو ان سے کسی نہ کسی حیثیت سے واقف تھے، ان کی عظمت، ان کے خلوص اور ان کی غیر معمولی شخصیت کے صدقِ دل سے معترف ہیں۔

اگرچہ برطانیہ نے انور پاشا کے جنگی کارناموں کا اعتراف نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ

عظیم میں وہ ہمارا جانی دشمن تھا لیکن انگریزوں کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ ایک بہادر دشمن کو عزت و احترام کے ساتھ یاد نہ کریں۔ بہت سے ترکوں کی نظر میں انور آج بھی ان کا قومی ہیرو ہے جس نے اپنی غیر معمولی شجاعت کی بدولت ترکی میں انقلاب برپا کر دیا اور وسط ایشیا میں شاندار کارنامہ انجام دیا۔